رسائل و مسائل

فوجداری جرائم میں حقِّ دعویٰ و مصالحت

ملک غلام علی صاحب

سوال:۔ مروج قانونی اصطلاح کے مطابق جرائم جو مستلزم سزا ہیں انہیں بالعموم دیوانی اور فوجداری جرائم میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دیوانی مقدمات میں عام طور پر مالی تاوان یا قید کی سزا دی جاتی ہے اور فوجداری جرائم میں اس کے علاوہ سنگین مقدمات میں موت تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں حدود یا قصاص کے مقدمات فوجداری نوعیت کے ہیں۔ مگر اُن کے مابین فرق و امتیاز واضح طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔ مثلاً اُن میں سے ہر جرم آیا قابلِ دست اندازیٔ حکومت ہے یا نہیں اور دعویٰ دائر ہو جانے کے بعد آیا ہر فوجداری مقدمہ قابلِ راضی نامہ ہے یا نہیں۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہر ایسا مقدمہ قابلِ راضی نامہ مابین فریقین ہے۔ قتل کے مقدمات، قاتل و مقتول یا مقتول کے وارثوں میں قابلِ راضی نامہ ہیں۔ لیکن اِن میں حقِ دعویٰ اور قصاص لینے کا حق کس کو حاصل ہے۔ اگر اس میں مدعی اور مدعا علیہ باہم مصالحت اور سمجھوتہ کر لیں تو کیا ریاست یا حکومت ثبوتِ جرم کے باوجود کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ اگر ایسا ہو تو بعض قتل رائگاں جائیں گے اور جن مجرمین کے پاس طاقت یا دولت ہے وہ مظلومین کا منہ بند کر دیں گے۔ جو وارث مقتول کے قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں اُن کی کوئی متعین فہرست ہے یا ہر قسم کا رشتہ دار یا خاندان کا فرد اس کا حق رکھتا ہے۔

جواب:۔ اسلام کے نظامِ قانون کی رُو سے بعض فوجداری جرائم ایسے ہیں جن میں ملزم کے

خلاف حکومت یا ہر شہری مدعی یا فریق مقدمہ بن سکتا ہے، مثلاً سرقہ، ڈاکہ، رہزنی، زنا۔ ان جرائم کو جرائمِ حدود کا نام دیا گیا ہے یہ ناقابلِ راضی نامہ ہیں۔ اس کے برعکس بعض جرائم ایسے ہیں جن میں مستغیث یا فریق یا تو وہ شخص بن سکتا ہے جو خود مظلوم اور ملزم کی تعدی کا شکار ہوا ہو اور اگر مظلوم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو تو صرف مظلوم کے اولیا، اور ورثا ہی مدعی یا فریقِ مقدمہ بن سکتے ہیں۔ البتہ کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر مظلوم کا ولی حاکم و قاضی ہوگا۔ اُن کے ماسوا کوئی دوسرا شخص فریقِ مقدمہ نہیں بن سکتا۔ ان جرائم کو جرائمِ قصاص کہا جاتا ہے۔ جرمِ قتل کا شمار بھی جرائمِ قصاص میں ہوتا ہے۔ جرائمِ حدود میں اسے شامل نہیں کیا گیا۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۳ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا۔

(قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اُس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے)۔

قرآن مجید میں یہاں ولی کے حق کے لیے سلطان کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد حجت (LOCUS STANDI) ہے جس کی بنا پر وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس ارشادِ ربانی سے اسلامی قانون کا یہ اصول نکلتا ہے کہ قتل کے مقدمے میں اصل مدعی حکومت نہیں بلکہ اولیائے مقتول ہیں۔ اولیائے مقتول سے مراد مقتول کے وہ وارث ہیں جنھیں شرعی قانونِ وراثت کی رُو سے مقتول کے ترکے میں سے حصہ مل سکتا ہے۔

امام کاسانی اپنی کتاب البدائع والصنائع جلد ۷ میں: "بیان من لیستحق القصاص" (اس کا بیان کہ قصاص کا مستحق کون ہے) کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

المقتول لا یخلو اما ان یکون لہ وارث واما ان لم یکن۔ فان کان لہ وارث فالمستحق للقصاص ھو الوارث کالمستحق للمال ...... والورثۃ خلفاءہ وکل واحد من احاد الورثۃ خصم عن المیت فی حقوقہ فی الدیۃ والدین۔

(مقتول کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا، یا تو اُس کا کوئی وارث ہوتا

ہے یا نہیں ہوتا۔ اگر اس کا کوئی وارث ہو تو قصاص کا مستحق وہی وارث ہے جس طرح کہ وہ مال کا مستحق ہوتا ہے۔ وارث ہی مقتول کے جانشین اور نائب ہوتے ہیں اور وارثوں میں سے ہر ایک مقتول کی طرف سے خصم یعنی دیت اور قرض وغیرہ کے معاملات میں مدعی ہوتا ہے)۔

یہ اصول دیگر کتبِ فقہ میں بھی مذکور ہے مثلاً ہدایہ کے ابواب القتل میں مصنّف لکھتے ہیں:

القصاص طریقه طریق الوراثة کالدین وهذا لانه عوض عن نفسه فیکون الملك فیه لمن له الملك المعوض کما فی الدیة

(قصاص کے حصول کا طریقہ وراثت کے حصول کے مطابق ہے جس طرح وارث اپنے مورث کا ورثہ اور قرض وصول کرتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ قصاص جان کا بدلہ ہے تو قصاص میں بھی حق اور ملکیت اسی کو حاصل ہو گی جس کو دوسرے مالی حقوق دیت وغیرہ میں حاصل ہوتے ہیں)۔

ہدایہ کی شرح عنایہ اور دوسری شرح فتح القدیر دونوں میں مذکورہ بالا اصول درج کرنے کے بعد مزید وضاحت اور توجیہ ان الفاظ میں درج ہے۔

الاصل استیفاء القصاص حق الوارث عنده۔

(امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ قصاص کی تحصیل و تکمیل وارث کا حق ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دو رفقاء اور شاگرد قاضی ابویوسف اور امام محمد کا استدلال فتح القدیر شرح ہدایہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

عندهما القصاص حق ثابت لمورث ابتداء من کل الوجوه ثم ینتقل بعد موته الی الوارث بطریق الوراثة کسائر املاکه۔

(امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک حق قصاص ابتداء میں تو مورث کے لیے ثابت ہوتا ہے (اگر وہ زندہ رہے تو خود لے گا ورنہ) اس کی موت کے بعد بہمہ وجوہ یہ حق وارث کی طرف بطریق وراثت منتقل ہوتا ہے جس طرح اس کی جملہ املاک وارثوں

کی جانب منتقل ہوتی ہیں)۔

شریعتِ اسلامی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو افراد ذمہ دارانہ حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، ان کی خطاء پر بعض اوقات اُن سے زیادہ سخت طریق پر باز پرس ہوتی ہے اور عام افراد کے مقابلے میں انہیں رعایت دینے اور نرمی اختیار کرنے کے بجائے شدت برتی جاتی ہے۔ سورۂ احزاب آیت ۳۰ میں ازواجِ مطہرات سے فرمایا گیا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔

(اے نبی کی بیویو تم میں سے اگر کوئی صریح بُرائی کا ارتکاب کرے گی تو اُسے دہرا عذاب دیا جائے گا)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ ازواجِ مطہرات سے ایسی بات کا اندیشہ تھا۔ بلکہ اس سے مقصود انہیں یہ احساس دلانا تھا کہ اسلامی معاشرے میں اُن کا مقام جس قدر بلند ہے اس کے لحاظ سے اُن کی ذمہ داریاں بھی بہت سخت ہیں۔ البحر الرائق جو حنفی فقہ کی مستند کتاب ہے اس کے حوالے سے مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی اپنی کتاب علم الفقہ جلد سوم میں روزے کی قضا و کفارے کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"اگر کسی بادشاہ پر کفارہ واجب ہو تو اُسے غلام کو آزاد کرنے یا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانے کا حکم نہ دینا چاہیے کیونکہ یہ چیزیں اُس کے نزدیک کچھ دشوار نہیں۔ ان سے کچھ بھی تنبیہ اُس کو نہ ہوگی، بلکہ اُسے ساٹھ روزے رکھنے کا حکم ہونا چاہیے کہ اس پر گراں گذرے اور آئندہ رمضان کے روزے کو اس طرح فاسد نہ کرے"۔

سزا دینے کے سلسلے میں حکومت کو بھی بعض استثنائی حالات میں تعزیر کی حق کی گنجائش ہے۔ اسی سلسلے میں عبدالرحمٰن الجزیری اپنی کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۲۶۵ ج ۵ میں لکھتے ہیں:

اذا عفا اولياء الدم عن القاتل .... ولكن راى الحاكم ان اطلاقه يهدد الامن العام فله ان يعزره بما شاء الخ

یعنی اگر مقتول کے اولیاء قاتل کو معاف کر دیں اور حاکم یہ دیکھے کہ اس معافی سے

امنِ عامہ کو خطرہ لاحق ہو جائے گا تو حاکم اُس قاتل کو معافی کے بعد بھی جو سزا چاہے دے سکتا ہے۔

اب مذکورہ بالا اصول پر اسلامی عدالتی نظام سے ایک نظیر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

گجرات کے حکمران احمد شاہ اوّل (المتوفی ۸۴۶ھ) کے داماد نے جوانی اور شاہی رشتے کے غرور و تکبر میں ایک شخص کو بے قصور قتل کر دیا۔ سلطان احمد شاہ اوّل کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے داماد کو باندھ کر قاضی کے پاس بھیج دیا۔ قاضی نے مقتول کے وارثوں کو دو سو اُونٹوں کے قصاص پر راضی کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے اُن کو دیکھ کر کہا کہ اگرچہ مقتول کے وارث راضی ہیں لیکن مجھ کو خود یہ قبول نہیں کہ اس طرح دولت مند لوگ خونِ ناحق کرنے میں دلیر ہو جائیں گے۔ چنانچہ سلطان کا داماد قتل کیا گیا۔ سلطان کے حکم سے اُس کی لاش ایک روز تک دار پر لٹکتی رہی تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ (مرات سکندری ۴۵-۴۶ بحوالہ ہندوستان کے عہد رفتہ کی سچی کہانیاں مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۱۵۵)

(بقیہ محدث قرطبہ بقی بن مخلد)

کے قائل نہ تھے۔ اور وہ احادیث و آثار کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ ان کا تمام تر اعتماد نصوص شرعیہ پر تھا۔ اور انتہائی مجبوری کی حالت میں قیاس سے کام لیتے تھے۔ اس طرح جناب بقی بن مخلدؒ نے سرزمینِ اندلس میں ایک ایسا پودا لگا دیا کہ جب وہ برگ و بار لایا تو اندلس دارالحدیث بن گیا اور جب تک اندلس میں مسلمان رہے جناب بقی بن مخلد کی روشن کردہ مشعل سے علماء روشنی حاصل کرتے رہے۔ امام بقی بن مخلدؒ نے ایک مرتبہ خود فرمایا تھا۔

"لقد غرست للمسلمین غرساً بالاندلس لا یقلع الا بخروج الدجال" [1]

(میں نے اندلس میں مسلمانوں کے لیے ایک ایسا پودا لگا دیا ہے جو خروجِ دجال تک اکھاڑا نہ جا سکے گا)

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۶۳۰